مولانا ارشد جمال اشرفی

فلسفۂ روزہ

الاسلام مشن بنارس

فلسفۂ روزہ

مولانا ارشد جمال اشرفی

الاسلام مشن بنارس

Falsafa-e-Roza

by

Maulana Arshad jamal Ashrafi
D.43/107,Bazar Sadanand.
Varanasi.U.P.India.221001
email:aimvns@gmail.com

First Published: December-1999

Al-Islam Mission

Varanasi.U.P.India.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کی بہت ساری مخلوقیں ہیں۔ان میں سے ایک مخلوق ایسی ہے جس کے اندر بہیمی صفات [حیوانی صفات] رکھی گئی ہیں اور ایک مخلوق ایسی ہے جسے مَلَکی صفات [فرشتوں والی صفات] سے نوازا گیا ہے۔بہیمی صفات رکھنے والی مخلوق کو ''انسان'' کہتے ہیں اور مَلَکی صفات رکھنے والی مخلوق کو ''فرشتہ'' بولتے ہیں۔انسان اصل میں حیوان ہے اور بحیثیت حیوان اس کے اندر تین مطالبے پائے جاتے ہیں:۔

- غذا کا مطالبہ
- جنسی آسودگی کا مطالبہ
- آرام کا مطالبہ

انسان کے اندر پائے جانے والے یہ تینوں مطالبے جب اپنی حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں تو وہ اپنی خوٗبوٗ کے لحاظ سے نِرا حیوان ہوجاتا ہے۔اس کی زندگی کا حاصل کھانا پینا، گھومنا پھرنا اور عیش کرنا ہوتا ہے۔اس میں اور ایک جانور میں تھوڑا سا فرق رہ جاتا ہے اور جب یہ مطالبے اپنی حدوں میں ہوتے ہیں اور انسان ان مطالبوں سے بیزار ہونے لگتا ہے تو دھیرے دھیرے اس کے اندر مَلَکی صفات کی کرنیں پھوٹ پڑتی ہیں، بزرگی کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں، روحانیت کے دریچے کُھل جاتے ہیں اور ولایت کی راہیں کشادہ ہوجاتی ہیں۔

اسلام کی پوری تعلیم، مذہب کا سارا نظام اور دین کا ہر قانون اسی محور پر گردش کرتا ہے کہ انسان کے اندر پائے جانے والے تینوں حیوانی مطالبوں کو کنٹرول میں رکھا جائے۔ مذہب کی اس تحریک کا دو طریقۂ کار ہے:۔

- ایک افہام و تفہیم اور تعلیم و تربیت

- دوسرا کردار اور عمل

افہام و تفہیم اور تعلیم و تربیت سے مذکورہ مطالبوں کی صحیح نوعیت سمجھ میں آتی ہے کہ ان مطالبوں کی حد کہاں سے کہاں تک ہے؟ اور ان مطالبوں سے بیزاری کب اور کیسے پیدا ہوتی ہے؟

کردار سازی اور عمل کی پابندی سے نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ مذکورہ مطالبوں کی حد میں رہنے سے کیا فائدہ ہوا؟ اور ان سے بیزار ہوکر کون سی منزل پر آئے؟

ان دونوں طریقۂ کار میں کردار اور عمل کا طریقہ اصل اور مؤثر ہے۔ مذہب اپنے اس طریقۂ کار کو ایک انسان پر وقتاً فوقتاً آزماتا رہتا ہے اور الگ الگ طور پر کسی نہ کسی مطالبہ کی حد میں لاکر اُسے کھڑا کر دیتا ہے، لیکن خدا نے اپنے بندوں کے لئے ایک ایسا جامع نظام بھی بنا دیا ہے جس کی رعایت سے ایک بندے کو تینوں مطالبوں کی حدوں میں رہنے کا حسین موقع فراہم ہو جاتا ہے اور وہ ہے رمضان کا مبارک و مسعود مہینہ اور اس کے روزے۔

غذا کا مطالبہ

عام دنوں میں انسان آزاد ہوتا ہے کہ جب جی چاہے کھائے اور جیسی طبیعت کرے پئے۔ اسی آزادی سے انسان کے اندر چھپا ہوا غذا کا حیوانی مطالبہ اپنا سر اُبھار لیتا ہے اور پھر انسان خورد و نوش کا زیادہ سے زیادہ انتظام کرتا ہے اور اس کے لئے پُر تکلف اہتمام میں مصروف رہتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے اس مطالبہ کی حد سے تجاوز کرنے لگتا ہے۔ جہاں وہ حد سے آگے بڑھا، نفس اس پر حاوی ہو جاتا ہے، پھر وہ اسی کے کہے پر چلتا ہے، اسی کا حکم مانتا ہے اور اسی کی جی حضوری میں لگا رہتا ہے۔ نفس وَرغلاتا ہے کہ خنزیر کا گوشت کھاؤ، بڑا لذیذ اور مقوّی ہوتا ہے۔ انسان آنکھ بند کر کے حرام کھانا شروع کر دیتا ہے۔ نفس بہلاتا ہے کہ شراب پیو، بڑا کیف و سرور حاصل ہوگا، انسان شراب کے ناپاک قطرے اپنے پیٹ میں اُتار لیتا ہے۔ جب انسان کو بسیار خوری، شکم پروری اور خوش ذائقہ غذاؤں کی لت

پڑ جاتی ہےتو وہ اس کے لئے چوری، ڈکیتی اور لوٹ مار پر بھی اتر آ تا ہے۔کون نہیں جانتا؟ کہ آج کے سارے گورکھ دھندے اسی پیٹ کے لئے ہورے ہیں اور سارا معاشی و معاشرتی فساد اسی خواہش کی وجہ سے پنپ رہا ہے۔

اسی لئے پُرتکلف اور مرغّن غذاؤں کی عادت ڈالنے سے ممانعت آئی ہے۔سیدنا امام غزالی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

''حضورﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''میری امت کے بدترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے عیش وعشرت کے ماحول میں پرورش پائی اور خوب موٹے تازے ہوئے ،قسم قسم کے(خوش ذائقہ) کھانے اور طرح طرح کے لباس پہننے میں لگے رہے اور ٹھٹھابازی کرتے رہے۔اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی''یاد رکھ! کہ تو قبر میں آنے والا ہے، کیوں کہ یہ بات تجھے زیادہ خواہشوں سے روکے گی''۔

سلف صالحین طرح طرح کے لذیذ کھانوں سے اور اپنے نفس کو ان کا عادی بنانے سے بہت ہی ڈرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ کسی انسان کے بدبخت ہونے کی علامت ہے''۔ [احیاء العلوم:۸۹/۳]

امام غزالی کی پیش کردہ حدیث کے صحت وضعف سے قطع نظر کرتے ہوئے مختلف حدیثوں کی روشنی میں محدثینِ کرام اِسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں، چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں:

''حدیثوں میں (لذیذ کھانوں کی)عادت ڈالنے کو مکروہ بتایا گیا ہے، کیوں کہ یہ دل کو سخت بناتی ہے اور محتاجوں کے حال کو فراموش کراتی ہے''۔

[شرح النووی:۲۱۴/۱۳،مرقاۃ المفاتیح:۲۹۴/۴]

روزہ اسی آزادرَوِش کوتوڑتا ہےاورانسان کو پابند کردیتا ہے کہ وہ کھانے پینے میں اپنی مرضی کا مالک نہیں ہے، بلکہ خدا کے حکم سے کھائے پیئے اور جب اس کا حکم نہ ہوتو دن بھر بھوکا پیاسا رہے۔روزہ کی اسی بھوک پیاس سے انسان کو''ضبط نفس'' کا درس ملتا ہے کہ آئندہ زندگی میں بھی کھانے پینے کے معاملات میں وہ خودمختار نہ رہے، بلکہ ہمیشہ خدا کے حکم کی بجاآوری کا ایک مستقل مزاج بنالے۔جب یہ مزاج بن جائے گا تو پھرانسان کبھی غذا کے مطالبہ کی حد سے باہر نہ نکلے گا۔زبردست بھوک پیاس کے وقت بھی اس کی قوت برداشت اسے حد سے تجاوز کرنے نہ دے گی۔

جس شخص کوشکم پروری کی عادت پڑجاتی ہے اس کے اندرکئی بیماریاں سرایت کرآتی ہیں:۔

ایک......تو اسے صرف اپنے کھانے کی ہوس ہوگی ،دوسروں کوکھلانے کا جذبہ مرجائے گا۔

دوسرے......کھلانے کا جذبہ باقی بھی رہاتو اتنا کمزور ہوگا کہ خودتو خوش ذائقہ کھائے گااوردوسروں کومعمولی کھانے کھلائے گا۔

تیسرے......جائز کھانے نہ ملنے پرناجائز کی طرف ہاتھ بڑھائے گا۔

چوتھے......ناجائز کے حصول میں اگراسے چوری،ڈکیتی اورلوٹ مار کرنا پڑے تو وہ اس سے بھی دریغ نہ کرے گا۔

جبکہ روزہ کی بھوک پیاس ہمیں احساس دلاتی ہے کہ بھوکوں اور پیاسوں پر کیا گذرتی ہوگی ؟ اس احساس کے بیدار ہوتے ہی ان کے لئے دل میں نرم گوشے پیدا ہوجاتے ہیں۔اس کے بعد جب بھی وہ روزہ دارخوش ذائقہ کھانے کھائے گا،اسے فقیروں اورمحتاجوں کا بھی خیال آئے گا اور یہ ایمان کی ایک اچھی علامت ہے۔اسی لئے سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ارشادفرماتے ہیں:

''جب تونے اپنے نفس کے لئے مزیدار کھانے ،عمدہ

کپڑے، اچھے مکان، حسین صورتیں اور مالداری کو پسند کیا
اور اپنے مسلمان بھائی کے لئے اس کے علاوہ چیزوں کو پسند
کیا تو تو اپنے کمالِ ایمان کے دعوے میں جھوٹا ہے''۔
[الفتح الربّانی:۱۲۱]

شکم پروری کی عادت ٹوٹ کر بکھر جائے گی تو آدمی ہمیشہ جائز کھانوں پر اکتفا کرے گا۔ ناجائز کی طرف ایک آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا اور جب اُسے جائز سے محبت ہو جائے گی تو ایک غذا کا ہی معاملہ کیا؟ وہ ہر ناجائز اور غلط کاموں سے گریز اختیار کرے گا۔

اصل میں روزہ دلوں کے اندر اس احساس کو گرم کر دیتا ہے کہ اب اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدا کی مرضی پر موقوف ہے۔ جب خدا کی مرضی کا احترام اور اس کے حکم کی پاسداری کرنے کا جذبہ بیدار ہو جائے گا تو وہ لوٹ مار، فتنہ فساد، جھوٹ سچ غرضیکہ ہر اس عمل سے پرہیز کرے گا جو خدا کی مرضی کے خلاف ہو اور جس سے اس کے حکم کی پاسداری کا خون ہوتا ہو۔

دیکھنے میں تو روزہ بھوک، پیاس اور جماع کی حد بندی سمجھ میں آتا ہے، مگر یہ وہ سمندر ہے جس کی گہرائی میں ایسے ایسے لعل و گہر موجود ہیں جو صرف ایک ماہر پیراک کے ہاتھ ہی لگ سکتے ہیں۔ اسی حقیقت کی طرف بخاری کی یہ روایت بھی اشارہ کرتی ہے کہ:

''جس نے جھوٹ بولنے اور جھوٹا عمل اختیار کرنے سے
پرہیز نہ کیا تو اللہ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ (روزہ دار)
اپنا کھانا پینا ترک کرے''۔ [بخاری:۲/۳۱، حدیث:۱۹۰۳]

ظاہر ہے کہ جب روزہ دار نے غذا کے مطالبہ کو اللہ کی مرضی کے حوالہ کر دیا ہے تو پھر وہ یہ کیوں بھول جاتا ہے؟ کہ ''جھوٹ'' سے اُسی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ یہ تو اس کی مرضی اور اس کے حکم کا مذاق ہوا.......... لہٰذا جس سچائی اور اخلاص کے ساتھ اُس نے اپنا کھانا پینا خدا کے لئے چھوڑا ہے، اسی سچائی اور نیک نیتی کے ساتھ جھوٹ سے

بھی باز آ جائے۔

یہاں جھوٹ کا دو مفہوم ہوسکتا ہے:۔

ایک......تو یہ کہ روزہ کی حالت میں نہ تو جھوٹ بولے اور نہ جھوٹا کام کرے۔

دوسرا...... یہ کہ آئندہ اور موجودہ زندگی میں وہ کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اس کا یہ دعویٰ باطل ہوجائے کہ وہ خدا کے حکم کے احترام میں اپنا کھانا پینا چھوڑ چکا ہے۔ یہ دعویٰ اس وقت سچا ہوگا جبکہ اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدا کے حکم کا احترام کرتا ہوا نظر آئے۔ اگر ایسا نہ ہوسکا تو روزہ دار کا کھانا پینا ترک کردینے کے اس کھوکھلے اور جھوٹے جوش کی خدا کو کوئی ضرورت نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مذہب نے روزہ دار کو صرف جھوٹ بولنے کی حد تک نہیں روکا ہے، بلکہ لڑنے جھگڑنے اور بیہودہ باتوں سے بھی بچنے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت کردہ ایک حدیث کا یہ حصہ ہمیں بتاتا ہے کہ:

''جب تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو وہ گالی گلوج نہ
کرے اور نہ ہذیان بکے۔ اگر کوئی گالی دے یا اس سے
لڑے بھی تو کہہ دینا چاہئے کہ میں روزے سے ہوں''۔

[بخاری:۲/۳۲،حدیث:۱۹۰۴)،مسلم:۲/۸۰۷،حدیث:۱۱۵۱]

یہ روزہ کا خاص عطیہ ہے کہ روزہ دار کو بھوکا پیاسا رکھ کر اس کی ذہن سازی کرتا ہے کہ بھوکوں اور پیاسوں کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ یہ روزہ دل کی کال کوٹھری میں سوز و ساز اور صبر وضبط کی شمع روشن کرتا ہے۔ روزہ دار اس حد تک ایمان لے آتا ہے کہ اس کا کھانا پینا خدا کی مرضی کے بغیر نہیں ہوگا۔ روزہ غذا کے اس مطالبہ کی ناکہ بندی کردیتا ہے جو نفس کو ورغلا کر شقاوت قلبی کی راہ پر ڈال دیتا ہے۔ یہی روزے کا مقصد ہے۔ جب تک روزہ دار ان احساسات وجذبات کے ساتھ روزہ نہ ادا کرے گا اُسے پریشانی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور نہ وہ روزہ کی حقیقی روح تک کبھی پہنچ پائے گا، جیسا کہ دارمی کی ایک روایت میں

بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: '' کتنے روزہ دار ایسے ہیں جنہیں اپنے روزہ سے پیاس کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا اور کتنے عابد شب زندہ دار ایسے ہیں جنہیں بیداری کے سوا کچھ نصیب نہیں ہوتا''۔[مشکوٰۃ ۱/۶۲۶، حدیث:۲۰۱۴]

جنسی آسودگی کا مطالبہ

یہ مطالبہ بھی بے حد خطرناک مطالبہ ہے۔ جس نے اس مطالبہ کی صحیح وقت پر مناسب روک تھام نہ کی وہ کس بھیانک راستہ پر نکل پڑے؟ کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ یہ مطالبہ جب تک اپنی حد کے اندر ہے تو ہے، جیسے ہی یہ اپنی حد چھوڑتا ہے ایک ہی جَست میں بہت دور نکل جاتا ہے۔ جہاں سے واپس آنا بڑا مشکل ہوجاتا ہے۔ خیر سے واپس آیا بھی تو اس کا دامنِ حیات قسم قسم کے بدنما دھبوں سے سجا ہوتا ہے جو آنسوؤں کے سمندر میں نہانے سے بھی نہیں دُھل پاتا۔

یہ بھیانک مطالبہ انسان کو کبھی اَوباش بناتا ہے۔ کبھی ہم جنسوں کی زندگی پلید کراتا ہے۔ کبھی صراحی و پیالہ کا شریکِ حیات بناتا ہے۔ کبھی آغوشِ شباب میں حسن کی چادر اوڑھا کر سلا دیتا ہے۔ جنسی آسودگی کا مارا شخص اپنے اس مطالبہ کی تسکین کی خاطر جان تک لڑا دیتا ہے۔ قتل و غارت گری اس کے لئے معمولی کام ہوجاتے ہیں۔

لھٰذا............جنسی آسودگی کا یہ خطرناک مطالبہ جب اپنی حد سے بڑھنے لگے تو اسے حد میں رکھنا اور اپنے بس میں کرنا نہایت ضروری ہے اور اس کے دو راستے ہیں: ایک نکاح اور دوسرا روزہ۔

جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''اے جوانوں کی جماعت! تم میں سے جس کے پاس

گھر ہو سکے وہ شادی کر لے کیوں کہ یہ آنکھ کا پردہ اور شرمگاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔اور جس سے گھر کا انتظام نہ ہو سکے وہ روزہ رکھے کیوں کہ یہ (روزہ) اُس (شادی) کا توڑ ہے"۔

[بخاری:۳۲/۲،حدیث:۱۹۰۵)،مسلم:۱۰۱۸/۲،حدیث:۱۴۰۰]

ماہ رمضان کے روزے ہر اس شخص کے حق میں بڑے ہی مفید اور کار آمد ہیں،جس کے اندر جنسی آسودگی کا مطالبہ پیدا ہو چکا ہو۔اس سے پہلے کہ یہ مطالبہ اپنی حد سے آگے بڑھے، پروردگار عالم نے کتنا معقول اور ٹھوس انتظام فرمادیا ہے کہ ہر سال پورے ایک ماہ تک اس مطالبہ پر ایک ایسی بندش قائم ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے شب و روز کے نصف سے زیادہ حصہ تک اس مطالبہ کے خطرناک حملوں سے محفوظ رہتا ہے ۔ پورے ایک ماہ کی اس مشق کا فائدہ یہ ہے کہ انسان کے اندر برداشت اور ضبط کی ایک ایسی زبردست قوت مہیا ہو جائے کہ سال کے کسی لمحہ میں بھی جنسی آسودگی کا مطالبہ اس پر حملہ آور نہ ہو سکے اور اگر ہو جائے تو اُس قوت کے آگے اُسے منھ کی کھانی پڑے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ جنسی جذبہ صرف جماع کا مطالبہ نہیں کرتا، بلکہ یہ تو جنسی آسودگی کا آخری ٹھکانہ ہے۔اس کی ابتدا تو تصور،خیال اور یاد کے مرحلوں سے ہے۔ان مرحلوں کے بعد جتنے مرحلے آتے ہیں سب اتنے خطرناک اور مہلک ہیں کہ مذہب نے ان تمام کو زنا کی فہرست میں شامل کرلیا ہے،چنانچہ مختلف حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ:۔

"آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا نظر ہے، ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا دَھر پکڑ ہے، پاؤں زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا اس راہ میں چلنا ہے،زبان کا زنا بات چیت ہے،کانوں کا زنا سننا ہے، ہونٹوں کا زنا بوسہ ہے اور دل کا زنا تمنا اور خواہش ہے اور عضو مخصوص ان سب باتوں کی تصدیق

کرتا ہے یا تکذیب''۔

[بخاری:۴/۲۱۱،حدیث:۶۶۱۲)،مسلم:۴/۲۰۴۶-۲۰۴۷،
حدیث:۲۶۵۷)،ابوداؤد:۲/۲۴۶،۲۴۷،حدیث:۵۳-۲۱۵۲]

چوں کہ جنسی آسودگی کے اتنے سارے مطالبات ہیں،اس لئے روزے کی حقیقت نے ایک روزہ دار کوان سارے مطالبات سے ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا حوصلہ بھی بخشا ہے کہ روزہ کو یہ مت سمجھ لینا کہ یہ صرف کھانے پینے اور جماع سے باز رہنے کا نام ہے، بلکہ ہر متحرک عضو کو روزہ دار ہونا چاہئے۔آنکھوں کا روزہ یہ ہے کہ نظر کے زنا سے باز رہے، ہاتھوں کا روزہ یہ ہے کہ دھر پکڑ کے زنا سے پرہیز کرے، پاؤں کا روزہ یہ ہے کہ زنا کی راہ میں دوڑ دھوپ کرنے سے گریز اختیار کرے،زبان اور کان کا روزہ یہ ہے کہ جنسیات پر مبنی گفت وشنید سے بچارہے۔ہونٹوں کا روزہ یہ ہے کہ بوسہ گیری سے گھن کھائے،دل کا روزہ یہ ہے کہ زنا کی خواہش اور تمنا کو لات مار دے۔

جس شادی شدہ جوڑے کو اپنے نفس پر اتنا اعتماد ہو کہ انزال کی نوبت نہیں آسکتی تو حالت روزہ میں اگر چہ انھیں بوس وکنار کی اجازت ہے،مگر پھر بھی روزے کی روح تقاضا کرتی ہے کہ جب نفس کا ضبط ٹوٹا تو بوس وکنار کی طبیعت ابھر آئی، جب کہ اس طبیعت پر بھی نفس کا ضبط برقرار رہنا چاہئے تھا۔جب اس مقام پر نفس کا ضبط ٹوٹ سکتا ہے تو انزال کی نوبت تک پہنچنے اور ہمبستری کی بندش پھلانگنے میں کیا رکاوٹ آسکتی ہے؟ جیسا کہ عہد رسالت میں ایک صحابی رسول ﷺ نے حالتِ روزہ میں اپنی بیوی سے ہمبستری کر لی تھی۔

[بخاری:۲/۴۱،حدیث:۱۹۳۶)،مسلم:۲/۷۸۱،حدیث:۱۱۱۱)،ابوداؤد:۲/۳۱۳،حدیث:۲۳۹۰]

جب اُس پاکیزہ دور میں صحابی رسول کے ساتھ یہ حادثہ پیش آسکتا ہے تو آج کے اس پراگندہ ماحول میں تحفظ کی کیا امید کی جاسکتی ہے؟ بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دور میں بھی ایک جوان شخص کو روزہ کی حالت میں مباشرت (بوس وکنار) کی رخصت نہیں دی۔

[ابوداؤد:۲/۳۱۲،حدیث:۲۳۸۷]

گویا روزہ ان ''داعیوں'' سے بھی بچنے کی تلقین کرتا ہے جو انزال کی حد تک جذبات کو برانگیختہ کردیں۔ظاہر ہے کہ جب روزہ دار اس حد تک اپنے جذبات پر قابو پالے اور پورے ایک ماہ تک اس کی یہ کوشش جاری رہے تو اس کی آئندہ کی زندگی پر ان کوششوں کے اثرات ضرور مرتب ہوں گے۔

لہٰــــذا .... جب ایک روزہ دار، روزے کے تمام حقوق ادا کرلینے کے بعد جنسی آسودگی کے مطالبہ پر قابو پالے گا تو وہ جنسی بے راہ روی کی بنیاد پر پیدا ہونے والے تمام فتنۂ وفساد اور شر وخرافات سے محفوظ ہوجائے گا۔ **ان شاء المولی العزیز۔**

آرام کا مطالبہ

یہ مطالبہ جب تک معتدل ہے تو ٹھیک ہے، جہاں اس نے حدِ اعتدال سے ایک قدم بھی آگے بڑھایا، وہیں اس کا اضطرابی دور شروع ہوا۔

ایک انسان اپنے دل ودماغ سے اپنے عیش وآرام کا ایک مخصوص قانونِ شب و روز مرتب کرتا ہے اور وہ اسی قانون کی پیروی کرتا ہوا اپنی گذر بسر کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے ''میری زندگی بڑے سکون اور آرام سے کٹ رہی ہے''۔ حالاں کہ اُس کے ارد گرد الجھنوں اور پریشانیوں کا ایسا گھنا جال بُن رہا ہوتا ہے جس کی اُسے مطلق خبر نہیں ہوتی اور جب ایک دن وہ اپنے بچھائے ہوئے اُس جال میں آکر پھنس چکا ہوتا ہے، تب اُسے یقین آتا ہے کہ آرام پسندی اور عیش کوشی کا پھل کیسا تلخ ہوتا ہے!

- آرام پسندی قوّتِ عمل کو سرد کرتی ہے۔
- مزاج میں آمریت اور نخوت بھردیتی ہے۔
- جو اس آرام میں خلل انداز ہوگا اس کے خلاف آتشِ غضب بھڑکاتی ہے۔
- اس کے لئے جھوٹ اور منافقت کا ہتھیار فراہم کراتی ہے۔

ظاہر ہے کہ ایک آرام پسند شخص میں جب یہ صفات پیدا ہوجائیں گی تو وہ کتنا

غیر مذہبی ہوگا؟ سوچنے سے تعلق رکھتا ہے۔

روزہ..........انسان کی اسی آرام پسندی کو ختم کرتا ہے اور مذہب کی روح سے آشنا کراتا ہے۔

روزہ..........انسان کے بنائے ہوئے قانونِ آرام کا شیرازہ بکھیر کر رات کی پچھلی گھڑی میں بیدار ہونے کا پابند بناتا ہے اور طبیعت کے خلاف اُسے سحری کھانے کا حکم دیتا ہے اور ایسا نہیں کہ سحری کے بعد بستر پکڑ لیجئے ، بلکہ فجر کی دوگانہ ادا کرنے تک توقف کراتا ہے۔ پھر دن بھر بھوکا پیاسا رکھتا ہے، ساتھ ساتھ تلاوتِ قرآن اور نفل عبادت کی یہ کہہ کر ترغیب دلاتا ہے کہ ان دنوں میں نفل کا ثواب فرض کے برابر ہے ،تاکہ لوگ مزید آرام کو بھول جائیں اور عبادتوں میں منہمک رہیں، پھر غروب آفتاب کے بعد افطار کی اجازت دیتا ہے ۔ یہ بھی نہیں کہ دن بھر کی بھوک پیاس سے نڈھال ہوکر خرگوش کی نیند سو جائیں، بلکہ عام دنوں سے بڑھ کر رات میں عبادت (تراویح پڑھنے) کا حکم دیتا ہے۔ اب بھی اس تھکے ہارے روزہ دار کو اجازت نہیں کہ صبح تک مدہوش پڑا سوتا رہے۔ بلکہ پھر وہ رات کی آخری گھڑی میں سحری کے لئے بیدار ہوجائے اور یہ ایک دن کی بات نہیں، بلکہ پورے ایک مہینہ کی مشقت ہے۔

شب وروز کی اس محنت سے آرام پسندی کی روح مرجاتی ہے۔ روزہ انسان کو محنتی بناتا ہے، ہمّتیں بخشتا ہے۔ جوشِ مشقت سے سرفراز فرماتا ہے۔ عملی میدان میں سرگرم کردیتا ہے۔ عبادت کا ذوق بڑھاتا ہے اور بندگی کی قوت عطا کرتا ہے۔

روزہ..........جب آرام پسندی اور عیش کوشی کے تمام جذبات کو معتدل کردیتا ہے تو اُس سے پیدا ہونے والے برے نتیجوں سے حفاظت کا بھی ضامن ہوگا۔

ایک بار پھر ان تینوں مطالبوں کا غائرانہ جائزہ لیجئے تو معلوم ہوگا کہ:

- غذا کے مطالبہ کو اس کی حد میں کر لینے کے بعد انسان معاشی فساد اور معاشرتی فتنہ میں نہیں پڑتا۔

• جنسی آسودگی کے مطالبہ پر قابو پالینے کے بعد انسان جنسی بے راہ روی سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

• آرام کے مطالبہ کو معتدل بنالینے کے بعد انسان اخلاقی بدعملیوں سے بچا رہتا ہے۔

اب ذرا اِس کے بعد اُس روزہ دار شخص کو دیکھو تو وہ متقی اور پرہیزگار نظر آئے گا۔ گویا اُس نے روزے کے مقصد کو پالیا۔ وہ روزے کی روح سے آشنا ہوگیا اور اسُے روزے کی حقیقت تک باریابی کا شرَف مل گیا۔

ایک روزہ دار تقویٰ اور پرہیزگاری کے زیور سے آراستہ ہوگیا، یہی روزے کی حقیقت ہے۔ یہی روزے کی مقصدیت ہے اور یہی روزے کا فلسفہ ہے اور یہی قرآن کا پیغام ہے:

يَـاأَيُّهَـاالَّـذِيْـنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ • [البقرہ:۱۸۳]

[(اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلے کی امتوں پر فرض تھے، تاکہ تمھیں پرہیزگاری ملے۔)

تمت

ارشد جمال اشرفی